

اٹھ رہا ہے ٹھیک اٹھ رہا ہے: اطمینان کے ساتھ اس میں کود پڑو، اور جدوجہد بہا کر لے جانا چاہتا ہے پورے انشراح صدر کے ساتھ ادھر بہ جاؤ۔ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ خطرہ واقعی اور حقیقی ہے، یہ سیلاب محض آزادی وطن کا سیلاب نہیں بلکہ ہندو اسپیریلزم کا سیلاب ہے، اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دینے کے معنی قومی خودکشی کے ہیں، اور اس سے بچنے کی تدبیر ضرور کرنی چاہیے۔ پہلا گروہ اگرچہ بڑی بڑی مذہبی شخصیتوں اور آزموہ کار سیاسی لیڈروں پر مشتمل تھا لیکن چونکہ وہ ایسی بات کہہ رہا تھا جو مسلمانوں کے عام احساسات کے خلاف تھی، اور پوری قوم کو ہندوستان کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر میدان میں ہندو قوم پرستی کے ہاتھوں اس کے بالکل برعکس تجربات پیش آرہے تھے، اس لئے مسلمانوں نے مجموعی طور پر اس کو رد کر دیا۔ اور جوق در جوق دوسرے گروہ کی آواز پر وہ بیک کہتے چلے گئے۔

پھر دوسرے گروہ میں بھی جلدی ہی اس مسئلے پر اختلاف رائے ہو گیا کہ ہندو اسپیریلزم کی اس بڑھتی ہوئی رو کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لئے راہ عمل کیا ہے۔

ایک رائے یہ تھی کہ مغربی جمہوریت اور قوم پرستی کے اصولوں پر ہندو اقتدار کی تحریک کا مقابلہ کرنا اصولاً بھی غلط ہے اور عملاً بھی مفید نہیں۔ اصولاً اس لئے غلط ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ اصول ان اسلامی اصولوں سے ٹکراتے ہیں جن پر ہم ایمان لانے کے مدعی ہیں۔ اور عملاً یہ راہ اس بنا پر غیر مفید ہی نہیں، قطعی ہلک ہے کہ ہندوستان کے ایک چھوٹے سے حصے کو چھوڑ کر باقی سارے ملک میں مسلمان قلیل التعداد ہیں، اور ایک جمہوری نظام میں قومی جنگ اڑ کر اقلیت بجز تباہی کے اور کچھ مول نہیں لے سکتی۔ اس رائے کے پیش کرنے والوں نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تم محض ایک قوم ہوتے تو بلاشبہ تمہارے لئے یہاں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ قومی جنگ لڑ کر اپنے حصے حصے کو بچا سکتے بچا لیتے اور باقی حصوں کی طرف سے بیٹھکی فاتحہ پڑھ لیتے۔ لیکن تم محض عام معنی میں ایک قوم نہیں ہو بلکہ ایک اصولی جماعت ہو جس کے پاس اصول اسلام کا

ہتھیار وہ زبردست ہتھیار ہے جو پہلے بھی دنیا کو مسخر کر چکا ہے اور آج بھی کر سکتا ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ تم یہ یا اور سائنہ نقتہ جنگ بناؤ۔ تمہارے لئے صحیح راہ عمل یہ ہے کہ سیاسی اور معاشی اغراض کے لئے رٹنے والی ایک تلیل التعداد قوم کی یہ پوزیشن چھوڑ دو جو غلطی سے تم نے اختیار کر رکھی ہے، اور اس کے بجائے اپنا اصل منصب سنبھالو جو مسائل زندگی کا ایک بہترین حل اور تمام موجود اوقات نظاموں سے زیادہ جامع اور منصفانہ نظام پیش کرنے والی جماعت کا منصب ہے۔ اس چیز کو لے کر اگر تم اٹھ کھڑے ہوئے اور تم نے علمی و فکری حیثیت سے اصول و سلام کا تقویٰ تمام دوسرے اصولوں پر ثبات کر دیا اور اس کے ساتھ اپنے آپ کو اخلاقی حیثیت سے بھی اپنے ہمسایوں پر فائق کر کے دکھا دیا تو یقین جانو کہ تھوڑی ہی مدت کے اندر ہندوستان میں توازن قوت بدل جائیگا۔ ہندوستان کی سیادت تمہارے سوا پھر کسی اور کا حصہ نہ ہوگی، اور بجائے اس کے کہ تم اپنے بچاؤ کے لئے پریشان ہو تمہارے سریفوں کو یہ فکر لاحق ہو جائیگی کہ وہ تمہارے بڑھتے ہوئے سیلاب سے اپنے آپ کو کس طرح بچائیں۔

یہ وہی بات تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں قریش کے لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ میں وہ کلمہ لیکر آیا ہوں کہ اگر تمہارے لئے تو تو غریب اور عجم سب تمہارے زیر نگیں ہو جائینگے۔ لیکن مسلمانوں نے اس مشورے میں وہی خطرہ محسوس کیا جو قریش نے محسوس کیا تھا کہ اِنْ تَكْتَبِجِ الْهُدٰى مَعَكَ نَتَّخِطَنَّ جَدًّا اَوْ ضِنًا، یعنی اگر ہم اس راہ عمل کو اختیار کر لیں تو اس سر زمین میں ہمارا کوئی ٹھکانا نہ رہیگا پوری قوم میں بہت کم لوگ اس راہ کے امکانات کو سمجھ سکے، اور بہت ہی کم لوگ اس پر چلنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ اس طرح یہ رائے قومی طرز عمل نہ بن سکی۔

دوسری رائے یہ تھی کہ تمام ہندوستان کے مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور مل کر آواز اٹھائیں کہ ہم ایک الگ قوم ہیں، ہمارا مذہب الگ ہے، ہماری تہذیب الگ ہے، ہمیں اور ہندوؤں کو ملا کر سارے ملک میں ایک قومی جمہوری ریاست بنا دینا صحیح نہیں ہے،

ملک کو تقسیم کیا جائے، جہاں ہماری اکثریت ہے وہاں ہماری آزاد قومی حکومت بنے اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہاں ان کی آزاد قومی حکومت بن جائے۔

یہ راستہ آسان تھا۔ اس میں نہ کسی ذہنی کاوش کی کوئی حاجت تھی اور نہ کسی اخلاقی اصلاح و انضباط کا کوئی سوال۔ بظاہر بات بھی بالکل صاف تھی، اور مسلمانوں کے ذہین طبقہ کو ایک مدت سے جس قسم کی تعلیم و تربیت مل رہی تھی، اس کے لحاظ سے یہی بات ان کی دماغی سطح سے قریب تر بھی تھی، اس لئے مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت نے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تھوڑے لوگوں کو چھوڑ کر ساری قوم نے اس رائے کو اپنا لیا۔ اس مرکزی تخیل پر جمع ہونے کے بعد سے جو کچھ مسلمانوں نے من حیث القوم کیا ہے اس تحریک اور اس قیادت کے زیر اثر کیا ہے جو اس تخیل کو پیش کرنے کی ذمہ دار تھی، ہندو ہماری ماضی قریب کی سرگزشت کا اور ہمارے آج کے حال کا حسن و قبح لازماً اس تحریک کی طرف راجع ہوگا۔

یہ تحریک ایک قومی تحریک تھی۔ اس میں وہ سب لوگ شریک ہوئے جو نام و نسب کے لحاظ سے مسلم قوم کے افراد تھے۔ یہ سوال اس میں سرے سے بے دخل تھا کہ جو اس میں شامل ہوتا ہے وہ خدا، رسول، آخرت، وحی و کتاب اور دین و شریعت کو مانتا ہے یا نہیں، حرام و حلال کی تمیز کا قائل ہے یا نہیں اور فحور و تقویٰ، دینداری و بے دینی کی مختلف صفات ہیں سے کس صفات کے ساتھ متصف ہے۔ اس مسئلہ قوم کو بچانے کا تھا اور اس کے لئے تمام قومی عناصر کا متحدہ محاذ بننا ضروری تھا۔ پھر جو کام پیش نظر تھا وہ بھی فتوے اور امامت کا نہ تھا کہ دین و اعتقاد کے تجسس کی ضرورت پیش آتی۔ مقصود صرف قومی مدافعت تھی اور اس کے لئے تحریک کی شرکت تو درکنار اس کی قیادت و رہنمائی کے معاملہ میں بھی یہ دیکھنے کی حاجت نہ تھی کہ جن لوگوں کو ہم آگے لارہے ہیں ان کا اسلام سے کتنا اور کیسا تعلق ہے۔

یہ تحریک سیاسی تھی۔ اس میں اخلاق کا بھی کوئی سوال نہ تھا۔ جس نے سیاسی جوڑ توڑ میں جتنی

زیادہ مہارت دکھائی وہ اتنے ہی زیادہ ذمہ داری کے منصب کا اہل قرار پایا۔ اس قابلیت کا ثبوت مل جانے کے بعد یہ دیکھنا بالکل غیر ضروری تھا کہ اس کی دیانت، امانت، صداقت کو کیا حال ہے اور اس کی سیرت کہاں تک اعتماد کے لائق ہے۔

اس تحریک میں اگرچہ مذہب کا کوئی دخل نہ تھا، بعینہ اسی قسم کی تحریک ایسے ہی مارکنوں اور لیڈروں اور پیروؤں کے ساتھ دنیا کی ہر قوم اٹھا سکتی تھی، لیکن اتفاقاً کی بات تھی کہ جو قوم اپنی مدافعت کے لئے یہ تحریک لے کر اٹھی تھی اس کا مذہب اسلام تھا، اس لئے اسلام کی خدمات بھی اس کے لئے حاصل کی گئیں۔ مول یہ قرار پایا کہ ہدایت و رہنمائی تو اسلام کے بس کا روگ نہیں ہے، ایزر نہ یہ کہنے کا اسے حق ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے، البتہ یہ اس کا فرض اور اولین فرض ہے کہ جو کچھ ہم کریں وہ اس کی تصدیق و توثیق کرے، اس پر اجر کی اُسید دلائے، اس پر حسپاں کرنے کے لئے اپنی کوئی نہ کوئی اصطلاح مستعار دے، اور اس میں ہمارا ساتھ نہ دینے والوں کو جہنم کا راستہ دکھائے، اس لئے کہ ہم جو کچھ کریں گے اسی پر قوم کا بچنا موقوف ہے، اور قوم ہی نہ رہی تو یہ اسلام صاحبِ آخر پھینکے کہاں! یوں اس تحریک میں اسلام سے وہ خدمت لی گئی جو بگڑے ہوئے نواب زادے اپنے خاندان کے کسی پرانے جان نثار ملازم سے لیا کرتے ہیں۔ مشورہ اور نصیحت اس کا کام نہیں ہوتا۔ میاں لوگ اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں۔ مگر آڑے وقت میں بوڑھے خدام کو پکارا جاتا ہے کہ آؤ اور حق نمک ادا کرو۔ پھر اگر وہ غریب ان حرکات پر صبر نہیں کر سکتا جن کی وجہ سے بُرے وقت آتے ہیں اور بے چین ہو کر کبھی کہہ بیٹھتا ہے کہ صاحب زادے اپنے اطوار ٹھیک کر دو، تو اسے ڈانٹ دیا جاتا ہے کہ ایازہ قدر خود شناس، تو اپنے کام سے کام رکھ، تیری یہ حیثیت کبے ہوگی کہ ہمارے معاملات میں دخل دے۔

یہ تھیں وہ بنیادیں جن پر ہماری یہ قومی تحریک اول روز سے اٹھی اور آخر تک بڑھتی چلی گئی۔ اس کے اجزاء ترکیبی میں مومن اور منافق اور کھلے کھلے ملحد سب شامل تھے۔ بلکہ دین میں جو خبیثا بلکہ

وہ اتنا ہی اوپر آیا۔ اس میں اخلاق کی سرے سے کوئی پوچھ نہ تھی۔ عام کارکنوں سے لے کر بڑے سے بڑے ذمہ دار لیڈروں تک میں انتہائی ناقابل اعتماد سیرت کے لوگ موجود تھے، بلکہ تحریک کا قدم جتنا آگے بڑھا اس قسم کے عناصر کا تناسب بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس میں اسلام کو اتباع کے لئے نہیں بلکہ صرف عوام میں مذہبی جوش پیدا کرنے کے لئے فریق جنگ بنایا گیا تھا۔ کبھی ایک دن کے لئے بھی اس کو حیثیت نہیں دی گئی کہ وہ حکم دے اور یہ اسے مانیں، اور کوئی قدم اٹھانے وقت یہ اس سے استصواب کریں۔

پھر چونکہ مقابلہ ہندو سے تھا اس لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے ہر حربے کا جواب ویسے ہی حربے سے۔ ہر چوٹ کا جواب ویسے ہی چوٹ سے، اور ہر چال کا جواب ویسے ہی چال سے دیا جائے۔ جن جن پستیوں میں وہ گرا مسلمان بھی اس کی ضد میں گرے، اور جو جو کچھ وہ اپنی قومی خود غرضیوں کی خاطر کرتا گیا، مسلمانوں نے اس دلیل پر کہ اس کا ارتکاب کیا کہ ہندو ایسا کر رہا ہے۔ اس مقابلہ و مسابقت نے مسلمانوں کی عام اخلاقی سطح اتنی گرا دی کہ شاید اس سے پہلے وہ کبھی اخلاقی حیثیت سے اتنے نہ گرے تھے۔

یہ تو تھا ہماری اس عظیم الشان قومی تحریک کا اخلاقی و دینی پس منظر۔ اب ذرا اس کے اصل کام کا جائزہ لیجئے جو وہ قوم کو بچانے کے لئے کر رہی تھی۔

مسلمانوں کا قومی مطالبہ جو اس نے مرتب کیا وہ یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ہندی اکثریت کے لحاظ سے ملک تقسیم کر دیا جائے۔ اس مطالبہ کے اندر آپ سے آپ تین باتیں شامل تھیں۔ ایک یہ کہ تقریباً آدھے مسلمان ہندوؤں کے قومی غلام بن کر رہ جائیں۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی قومی ریاست دو ایسے چھوٹے چھوٹے خطوں میں بنے جن کی حیثیت ہندو ریاست کی سرحدوں پر قریب قریب وہی ہو جو پولینڈ اور چیکو سلوواکیہ جیسی ریاستوں کی حیثیت روس کی سرحدوں

پر ہے۔ تیسرے یہ کہ ان دونوں خطوں کے درمیان بھی ایک ہزار میل کا ہندو علاقہ حاصل ہو اور ان کے درمیان نہ حالت امن میں پوری طرح تعاون ہو سکے نہ حالت جنگ میں یہ ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔

اول روز ہی سے معلوم تھا کہ ہندو اس مطالبہ کی سخت مزاحمت کریں گے، چنانچہ اس نے کی اور ایک طرف سے مطالبے اور دوسری طرف سے مزاحمت نے قومی جنگ کو اتنی شدید تلخی کی حد تک پہنچا دیا کہ شاید آج جرمنی اور روس، امریکہ اور جاپان، عرب اور یہود کے درمیان بھی اس سے زیادہ تلخی نہ ہوگی۔ اس قومی جنگ میں لامحالہ مسلمان ہی سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے تھے۔ کیونکہ ان کا پورا نصف حصہ ہمارے اپنے مطالبہ کی رو سے ان کے مابکانہ تصرف میں جانے والا تھا۔ پھر چونکہ اقلیت کے مسلمانوں کو بھی اس جنگ میں شریک کیا گیا تھا، بلکہ پیش پیش وہی تھے، اس لئے یہ یقینی بات تھی کہ جنگ کے آخری مرحلوں میں، اور تقسیم کے بعد ان کو بدترین مظالم کا تختہ مشق بنا پڑے گا۔ یوپی، بہار اور دوسرے ہندوستانی علاقوں میں کسی مکان پر "پاکستان زندہ باد" لکھا ہونا یا معنی رکھتا تھا کہ ایک وقت میں ہی نعرے بدست دشمنوں کو آتش زنی، قتل و غارت اور عصمت دری کی دعوت دیں۔

اس کے ساتھ مزید غضب یہ کہ قومی جنگ کے لئے ہم نے جو طاقت فراہم کی تھی وہ نعرے، جھنڈے، جلے، جلوس، ریزولوشن، اخباری بیانات اور سیاسی گفت و شنید سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ یہ سب ہتھیار صرف اسی حالت کے لئے موزوں ہو سکتے تھے جبکہ قسمتوں کی میزان ایک تیسری طاقت کے ہاتھ میں ہو، اور وہ خود اپنی مصلحتوں کی خاطر توازن قائم کرنے کے لئے ایک فریق کے مقابلہ میں دوسرے فریق کے شور و غل کو وزن دینا چاہے۔ ہمارے لیڈر مدوں تک اس حالت میں رہتے رہتے اس کے اتنے خوگر ہو چکے تھے وہ سب کچھ اسی کے اندر سوچ سکتے تھے۔ اس کے گزر جانے کے بعد دوسری حالتیں ہیں کیا کچھ دیکھا ہے، اس کا شاید انہیں کوئی اندازہ ہی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب دوسرے حالات یکایک پیش آگئے تو ان کا مقابلہ

کرنے کے لئے وہ بالکل بے سرو سامان تھے۔

پچھلے سال کے آغاز تک کسی کو بھی محسوس نہ ہوا کہ ہم اپنے اندر کیا کمزوریاں لئے ہوئے ہیں، ہماری سیاست کی انتاج اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے، اور قومی جنگ کس رخ پر جا رہی ہے۔ شور و ثغیب اور ہنگامہ جوش نے ایک ایسا فریب قوت پیدا کر دیا تھا کہ ہم اپنی تنظیم کو ایک مکمل تنظیم اور اپنی سیاست کو ایک ماہرانہ سیاست سمجھے بیٹھے تھے، اور اس وقت ہر وہ شخص ہمیں اپنا دشمن نظر آ رہا تھا جو سطح کے نیچے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کی طرف، یا سر پر آئے ہوئے طوفانِ بلا کی طرف ذرا سا اشارہ بھی کر دے۔ مگر جو نہی کہ تقسیم کا فیصلہ ہوا۔ بیکار وہ ساری ہی کمزوریاں رنگ لے آئیں جو ہمارے قومی اخلاق میں، ہماری قومی تنظیم میں اور ہمارے سیاسی نقشے میں موجود تھیں۔

پانچ کروڑ مسلمانوں نے انتہائی بے بسی کی حالت میں ایک مفتوح اور شکست خوردہ قوم کی حیثیت سے اپنے آپ کو اچانک ان ہندوؤں اور سکھوں کے جنگل میں پایا جن کے ساتھ وہ چند روز پہلے دو بدو لڑ رہے تھے۔ اس طرح جو تحریک پوری قوم کو بچانے کے لئے اٹھی تھی اس کی تدبیر مدافعت کا خلاصہ یہ نکلا کہ ایک نصف کو بچانے کے لئے دوسرے نصف کو ایسی سخت تباہی کے گڑھے میں پھینک دیا گیا جس کا تصور بھی پہلے نہ کیا جاسکتا تھا۔

مشرقی پنجاب، دہلی اور اس کے آس پاس کے دوسرے علاقوں میں جب مسلمانوں پر ظلم و ستم کا پہاڑ بیکار ٹوٹ پڑا تو وہ قومی تنظیم جس پر کئی سال سے مسلمان اعتماد کئے ہوئے تھے ان گھٹتے بالکل بیکار ثابت ہوئی۔ ہر جگہ کے مقامی لیڈروں اور قومی کارکنوں میں سے ۵۰ فیصدی سخت ناقابلِ اعتماد نکلے۔ انھوں نے عین وقت پر اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ دیا اور صرف اپنے بچاؤ کی فکر کی۔ ان مخالفین قوم نے وہ اسلحہ تک جو مسلمانوں کی مدافعت کے لئے فراہم کئے گئے تھے، زیادہ دامنوں پر ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں فروخت کرنے میں تامل نہ کیا۔ انہوں نے خطرے کے علاقوں سے مسلمانوں کو بچا کر نکالنے کے بجائے اپنے جانوروں اور اپنے عیش کے سامانوں کو نکال لانا زیادہ ضروری سمجھا۔

انہوں نے پاکستان کے سرکاری ٹرکوں پر پناہ گزنیوں کو بٹھانے کے لئے بھی رشتوں میں وصول کیے۔ انہوں نے کیمپوں میں ایک ایک دانے کے لئے تہہ منے والے پناہ گزنیوں کے ہاتھ بھی وہ روٹیاں ہنگے داموں بیچیں جو سرکاری خرچ پر بھی گئی تھیں۔

پھر مسلمانوں کے قومی اخلاق کی تعمیر سے جو غفلت برتی گئی تھی اس نے اپنے بدترین نتائج پاکستان کی سرحد کے دونوں طرف دکھائے۔ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں نے بڑے بڑے علاقے محض دھمکیوں میں خالی کر دیئے، انہوں نے انتہائی بے غیرتی کے منظر جیتے جی اپنی آنکھوں سے دیکھے، ایک ایک سیکھ کے آگے پچاس پچاس مسلمان زمین بوس ہوئے، اور اس کے ساتھ عین اس قیامت صغریٰ کی حالت میں بھی مسلمان نے مسلمان کو لوٹنے میں، اور ذرا ذرا سی ضرورت کی چیزیں اپنے مصیبت کے ساتھیوں کے ہاتھ بلیک مارکیٹ کے داموں بیچنے میں کوئی شرم محسوس نہ کی۔ دوسری طرف مغربی پنجاب، سرحد اور سندھ کے مسلمانوں نے، ان کے نیڈروں اور قومی کارکنوں نے، ان کے منتخب کئے ہوئے ایم ایل اے صاحبان نے اور ان سرکاری ملازموں نے جو کبھی قومی درسے بہت تڑپا کرتے تھے، ہندوؤں اور سکھوں کے مال لوٹ لوٹ کر جس طرح اپنے گھر بھرے، اپنے پناہ گزین بھائیوں کے بسنے میں جو مشکلات پیدا کیں، مصیبت کے مارے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ جس بیدردی کا سلوک کیا، اور پاکستان بنتے ہی بے نظمی، نا فرض شناسی، رشوت، خیانت، اقربا پروری اور ظلم و بے انصافی کی جو گرم بازاری کی اسے دیکھ کر یہ بالکل عیاں ہو گیا کہ سیرت و اخلاق کے بغیر بڑے جھنڈوں، نعروں اور جلوسوں کے بل پر کسی قوم کو اٹھانے کے کیا نتائج ہوا کرتے ہیں۔

اس سارے نامہ اعمال میں اگر کسی چیز کو نفع کے خانہ میں رکھا جاسکتا ہے تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انہوں نے کم از کم آدھے مسلمانوں کو توجہ پالیا اور ان کی ایک قلمی سیٹا بنوا دی لیکن افسوس کہ اس "روشن کاننا" کو بھی ہم بدترین غلطیوں سے داغدار پاتے ہیں اور بری طرح ان کا خمیازہ بھگت رہے ہیں تقسیم ہند کا معاملہ جس طریقے سے طے کیا گیا وہ غلطیوں بلکہ حماقتوں کا ایک

مجموعہ تھا۔ سرحد کا تعین گفت و شنید سے طے کرنے کے بجائے دو کمیشنوں پر چھوڑ دیا گیا، کمیشن کی ترکیب ایسی قبول کی گئی جس سے فیصلہ کا اختیار کلیتہً صدر کے ہاتھ میں رہ جاتا تھا، صدر بھی کسی غیر جانبدار قوم کا آدمی نہیں بنایا گیا بلکہ انگریز قوم سے لیا گیا جو ہندوستان میں نہ غیر جانبدار تھی نہ بے غرض، پھر اس فیصلہ کا اعلان کرنے کے اختیارات بھی اس شخص کے ہاتھ میں چھوڑے گئے جو صرف ہندوستان کا گورنر جنرل رہ جانے والا تھا، او ہاری قیادت عظمیٰ نے پیشگی یہ قول دے دیا کہ اس فیصلے کی رو سے جو سرحدیں مقرر کی جائیں گی انہیں وہ بے چون و چرا مان لیگی۔ اس شدید غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگال اور پنجاب دونوں میں مسلمان اکثریت کے متعدد علاقے ہندوستان کے ساتھ ملحق کر دیئے گئے، مشرقی پنجاب کی پوری نو تحصیلیں، جن میں مسلمانوں کی واضح اکثریت تھی، ہندوں اور سکھوں کے قبضے میں چلی گئیں، اور سب سے زیادہ یہ کہ گورداسپور کا ضلع ہندوستان میں شامل ہو گیا جس کی وجہ سے کشمیر کے ہندو رئیس کو ہندوستان کے ساتھ تعلق جوڑنے کا راستہ مل گیا۔ انتقالِ اقتدار کی جو صورت لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تجویز کی تھی وہ صریح طور پر پاکستان کے حق میں سخت مضرت تھی، مگر ہماری قیادت عظمیٰ نے اسے بھی جوں کا توں قبول کر لیا۔ پاکستان کے حصہ کی جو جگہ جگہ منتشر تھیں، اس کے حصے کا سامان اور فوجی ذخائر بھی ہندوستان کے قبضے میں تھے، اس کے حصے کا سر پایہ بھی ہندوستان ہی کے ہاتھ میں تھا، اس کے دفاتر اور اس کا عملہ تک ابھی پوری طرح مستقل نہ ہوا تھا، اور اس حالت میں پاکستان کی مستقل مملکت نظم و نسق اور دفاع کی پوری ذمہ داری کے ساتھ قائم کر دی گئی۔ آج یہ اسی حماقت کا نتیجہ ہے کہ اپنی قوم کے جس آدمے حصے کو اکھوں نے ہندو اقتدار کے چنگل سے نکالا ہے وہ بھی اس کے دباؤ سے پوری طرح آزاد نہیں ہو سکا۔ جو ناگڈھ پر انہوں نے زبردستی قبضہ کیا اور ہم اپنی بے بسی کی وجہ سے انگلی تک نہ ہلا سکے۔ کشمیر کے مسلمانوں کو وہ ہمارے سامنے پامال کر رہے ہیں اور ہم ان کے مقابلہ میں کھل کر لڑنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ ہماری کئی ان سے دینی ہوئی ہے اور ہم ہر موقع پر ان سے دبتے چلے جا رہے ہیں۔

آج ایک سال کے بعد کہا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی زبردستی سے کیا تھا اور ہم اس پر راضی نہ تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب یہ زیادتی کی جا رہی تھی اور آپ دیکھ رہے تھے کہ ماؤنٹ بیٹن ہماری

بربادی کے کیا سامان کر رہا ہے، اس وقت آپ کی زبان کہاں چلی گئی تھی؟ کیوں نہیں آپ نے اپنی قوم کو اور ساری دنیا کو اس شہرت کی اطلاع دی؟ کیوں آپ خاموشی کے ساتھ وہ سب کچھ قبول کرتے گئے جو مسلمانوں کیلئے سخت تباہ کن تھا؟ کیوں آپ نے اسی وقت یہ اعلان نہ کیا کہ یہ سب کچھ ماونٹ بیٹن اپنی ذمہ داری پر کر رہا ہے اور ہم برضا و رغبت اس کی ذمہ داری میں شریک نہیں ہیں؟ صرف یہی نہیں کہ اس وقت آپ خاموش رہے۔ بعد میں جب اس غلط طرز تقسیم کے سخت ہولناک نتائج رونما ہو گئے اور لاکھوں مسلمانوں کو اس کا بدترین خمیازہ بھگتنا پڑا، اس وقت بھی آپ نے اپنی پولیش صاف کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔

جیسا کہ ہم ابتداء میں کہہ چکے ہیں، دس سال پہلے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال آیا تھا کہ وہ ہندو امپیریلزم کے تسلط سے اپنے آپ کو کیسے بچائیں۔ اس سوال کا ایک حل پیش کیا گیا تھا کہ اسلام کے اصولوں اور اسلامی سیرت کی طاقت سے اس خطرے کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر اس حل نے مسلمانوں کو اپیل نہ کیا اور وہ اسے آزمانے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اب یہ بحث بیکار ہے کہ اسے آزمایا جاتا تو کیا ہوتا۔ دوسرا حل جو پیش کیا گیا وہ یہ تھا کہ قومیت کی بنیاد پر سیاسی جنگ لڑی جائے۔ اسی حل کو مسلمانوں نے قبول کیا اور اپنی ساری قومی طاقت، اپنے تمام ذرائع اور اپنے مجید معاملہ اس قیادت کے حوالہ کر دئے جو ان کے قومی مسئلے کو اس طرح حل کرنا چاہتی تھی۔ دس برس کے بعد آج اس کا پورا کارنامہ ہمارے سامنے ہے اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس نئے کس طرح کس صورت میں ہمارے مسئلے کو حل کیا۔ جو کچھ ہو چکا ہے وہ تو امٹ ہے، اب اسے بدلنا نہیں نہیں جاسکتا۔ اس پر اس حیثیت سے تو بحث بیکار ہے کہ یہ نہ کیا جاتا تو کیا ہوتا۔ البتہ اس حیثیت سے اس پر بحث کرنا ضروری ہے کہ جو مسائل اب ہمیں درپیش ہیں، کیا ان کے حل کے لئے بھی وہی قیادت موزوں ہے جو اس سے پہلے ہمارے قومی مسئلے کو اس طرح حل کر چکی ہے؟ کیا اس کا اب تک کا کارنامہ یہی سفارش کرتا ہے کہ اب جو بڑے بڑے اور نازک مسائل ہمارے سر پر آ پڑے ہیں، جن کا بیشتر حصہ خود اسی قیادت کی کار فرمایوں کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، انہیں حل کرنے کے لئے ہم اس پر اعتماد کریں؟

مستطاب

اسلام اور اُس کے تقاضے

یہ وہ تقریب ہے جو ۱۵ فروری سن ۱۹۷۰ء کو خواتین کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کی گئی تھی۔ اگرچہ اس میں بیٹے سخن مسلمان عورت کی طرف ہے اور اس کو اس کے فرائض اور حقوق سے آگاہ کیا گیا ہے، لیکن اسلام اور اُس کے تقاضوں کی جو تشریح اس میں کی گئی ہے وہ سب کے لئے عام ہے۔

تعریف اُس خدا کے لئے ہے جو ساری کائنات کا اور اُس کے رہنے والوں کا خالق، مالک، رازق، مربی، آقا اور نگہبان ہے۔ جس نے انسان کو عقل عطا کی، صیغہ اور غلط کی سمجھ دی، بھلے اور بُرے کی تیز بخشی، سوچنے سمجھنے اور زندگی کے رستے کو پہچاننے کی قابلیت عطا کی اور انسان کی رہنمائی کے لئے اپنی کتابیں نازل کیں اور اپنے رسول بھیجے اور دوسلام ہوا اللہ کے ان نیک بندوں پر جنہوں نے انسان کو زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ بتایا۔ اُسے پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی، اور دنیا میں انسان بن کر رہنے کا طریقہ سکھایا۔

ماؤ! بہنو! بیٹیو! آج اس دنیا میں کروڑوں انسان ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ مگر جس دنیا کو ہم دینائے اسلام کے نام سے موسوم کرتے ہیں اُس کا حال بالکل ایک چڑیا گھر کا سا ہے۔ جس طرح چڑیا گھر میں رقم رقم کا جانور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والا موجود ہوتا ہے، اور مختلف قسم کے جانوروں میں کوئی چیز اس کے سوا مشترک نہیں ہوتی کہ سب ایک چڑیا گھر میں رہتے ہیں، تقریباً ایسا ہی حال مسلمانوں کی دنیا کا بھی ہے کہ اس میں طرح طرح کے آدمی جمع ہیں۔ اور ان کے درمیان بجز نام کے کوئی چیز بھی مشترک نہیں رہی ہے۔